شکیلہ اختر کے سوانحی حالات

تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان کے مختلف علاقے میں دنیا کے مختلف گوشوں سے عالم دین اور مشاہیر اسلام قدم رنجہ فرماتے رہے ہیں۔حضرت مخدوم شاہ زین الدین اور مخدوم شاہ شمس الدین دونوں بھائی ترویج دین اور تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان آئے اور بہار کے ارول میں بس گئے۔ یہ ایران سے تشریف لائے تھے۔انہی کی اولاد میں شاہ توحید تھے جو شکیلہ اختر کے دادا تھے۔اسی قصبہ میں ہندو پاک کی مشہور افسانہ نگار شکیلہ اختر ۲۵ اگست ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئیں۔ان کا بچپن شرارتوں میں گذرا۔ چونکہ زمیندار گھرانہ تھا۔اس لئے بچپن آرام و آسائش میں گذرا۔ان کی تعلیم و تربیت کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔قصبہ میں ہی ان کے ایک رشتہ دار خود دادا نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک مکتب قائم کیا۔ جہاں شاہ صاحبان (شکیلہ اختر کے اجد علی) کی بچیاں قران مجید اور شیریں اردو کی کتابیں پڑھا کرتی تھیں۔ظاہر ہے چونکہ گھر اور خاندان کے بچے اور بچیاں اس میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔اس لئے شکیلہ اختر (جو اس وقت شکیلہ بانوں تھیں) بھی اس مکتب میں قران کریم اور شیریں اردو ختم کیا۔وہ مکتب میں مولوی صاحب سے کبھی مرعوب نہیں ہوئی تھیں۔اپنے بچپن کے بارے میں مکتب کی حالت اس طرح بیان کرتی ہیں۔

> ''ایک قصبہ کا مکتب جس کے بچھے ہوئے ٹاٹ پر لڑکیاں بیٹھ جاتیں۔ان کا بستر سامنے ہوتا۔کوئی کتاب کھلی ہوتی اور لڑکیاں اپنے اپنے بستے کے اندر سے مزے مزے کی چیزیں نکال نکال کر مسلسل کھاتی رہتیں۔کسی کے بستے میں چوڑے اور گڑ رہتے۔کوئی بونٹ اور مکئی کا بھونا لاتا اور کوئی چاول کی روٹی تو اسی طرح دوسروں کے چوڑے اور گڑ کھا کھا کر میں پرچے پڑھنے لگی۔''

چونکہ گھر کا ماحول بڑا ہی علمی اور ادبی تھا۔اس وقت نیرنگ خیال ہمایوں، مخزن، عالم گیر، عصمت، تہذیب نسواں اور انقلاب جیسے معیاری اور ادبی رسائل و جرائد ان کے گھر میں آتے تھے اس لئے بچپن سے ہی ان کے دل و دماغ میں غیر دانستہ طور پر تخلیقی علم کا شعور ابھر رہا تھا۔ان پرچوں سے کچھ پڑھ کر اور کچھ سن کر مکتب میں اپنی سہیلیوں پر رعب جمایا کرتی تھی۔ بس ان کی تعلیم اسی گھر تک محدود رہ گئی باضابطہ کسی کالج، یونیورسٹی کی تعلیم سے اکتساب فیض نہیں کیا جس کا احساس انہیں بھی ہے۔سرخ آنچل میں انہوں نے لکھا ہے:

> ''ہوش سنبھل ہی رہا تھا کہ بے جوڑ مصرعوں نے دل و دماغ میں مگولے اٹھانے شروع کر دیئے شریر بچے شاید وقت کے پہلے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔بڑی ہوئی تو ایک طوفان آیا اور بھیانک موجیں ہر طرف اٹھنے لگیں، اس طوفان میں ساتھ ڈوبتے چلے گئے تبھی پریشانیوں کو اپنانا سیکھا اور اپنے آپ کو افسانوں سے بہلانے لگی۔''

اس طرح شکیلہ اختر کا بچپن دھیرے دھیرے شباب کی طرف گامزن ہوا اور ان کے مزاج میں جو شوخی اور دماغ میں جو بانکپن تھا،

ابھرنے لگا۔اس وقت ان کے گھر میں اکثر بزرگ عورتیں شادی بیاہ کی باتیں کیا کرتی تھیں۔اختر اور شکیلہ اختر کی والدہ کے چچازاد بھائی تھے۔یہ ارول اکثر آتے جاتے تھے۔اور ایک ہی گھر میں رہنا سہنا ہوتا تھا۔اختر اور بینوی کی دونوں بہنیں شکیلہ اختر کی خالہ تھیں، ایک دن شکیلہ اختر کی اماں نے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اختر سے کریں گی۔شکیلہ کی عمر اس وقت صرف گیارہ برس کی تھی۔مگر وہ سب سے بڑی تھیں اس لئے ان کی شادی کے لئے اماں کو فکر زیادہ ہی تھی۔اس طرح چودہ سال کی عمر میں ہی شکیلہ اختر کی شادی اختر اور بینوی سے ہوگئی اور وہ شکیلہ بانو سے شکیلہ اختر ہوگئیں۔حالانکہ اس سے قبل وہ قلمی نام میں شکیلہ توحید (والد کی طرف منسوب) لکھتی رہی تھیں۔گویا ان کے نام نے تین دور دیکھے شکیلہ بانو سے شکیلہ توحید اور اس کے بعد آج شکیلہ اختر ہی ہیں۔

شکیلہ اختر کی ازدواجی زندگی بہت خوشگوار نہیں رہی تھی۔کبھی کبھی اختر صاحب سے بدظنی بھی ہوجاتی تھی مگر یہ جلد ہی ختم ہوجاتی تھی۔ بعد میں ایسا ہوا کہ اختر اور بینوی بہار رہنے لگے اور انہیں ٹی بی ہوگئی۔اس طرح پریشانیاں بڑھتی گئیں، شکیلہ اختر نے لکھا ہے؛

> ''میری زندگی کے دوسرے دور نے میرے دل پر بہت گہرا اثر ڈالا اس سے پہلے دیہات کی زندگی میرے لئے بعد اختر صاحب کی شدید اور مسلسل علالت نے ہم دونوں کے مضطرب دلوں کو بہت زیادہ حساس بنادیا تھا۔اور ہماری تسکین کے کھلونے بس یہی افسانے اور نظمیں تھیں۔''

شکیلہ اختر کو مہمان نوازی کا بہت شوق تھا۔جب مہمان باہر سے آجاتے تو شکیلہ اختر ان کے لئے انواع واقسام کی چیزیں تیار کرتیں اور دسترخوان چن دیتیں۔بس ایک ہی دھن لگی رہتی کہ مہمانوں کو کس طرح اچھی سے اچھی چیزیں پیش کی جائیں، معلوم ہوتا کہ ان کے اندر یہ ذوق مہمان داری اور انسانی ہمدردی اور محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔اس سلوک اور محبت کی وجہ سے ان کے گھر میں ہمیشہ مہمانوں کے آنے جانے کا ایک سلسلہ قائم رہتا مگر تعجب ہے کہ وہ اس ہجوم سے افسردہ یا بیزار نہیں ہوتی تھیں، انہیں جو معاوضے کی رقمیں ملتی تھیں انہیں غریبوں، مریضوں اور مہمانوں پر ہی خرچ کر دیتی تھیں۔آج بھی یہ جذبۂ محبت ان کے اندر ہے۔مگر ضعف قوی اور آنکھوں کی بصارت کمزور ہونے سے خاموش رہا کرتی ہیں۔سب سے بڑی خوبی شکیلہ اختر کے مزاج میں عالم گیر محبت اور مریضوں سے تیمارداری کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔دوسروں کی تیمارداری میں شب بیداری بھی کرتیں اور ہسپتال میں وقتاً فوقتاً بقول صوفیہ فضل کرسیاں جوڑ کر سو بھی جاتیں ہیں ۔جذبہ ایثار اور خلوص تھا کہ شادی کے فوراً بعد ہزاروں روپئے اور قیمتی زیورات فروخت کر کے انہیں خیرات کر دیئے۔اپنی کاوشوں سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں غریب بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ان کے اندر انسانی ہمدردی خصوصاً مریضوں سے کس درجہ محبت ہوتی تھی اس کا اندازہ صوفیہ فضل کے قول سے ہوتا ہے کہ:

> ''آپا کے پیٹ کا آپریشن ہوا تھا۔چند ہی دنوں کے بعد اس کوٹج کے دوسرے کمرے میں دمے کا ایک اچھا خاصا مریض اپنے سارے خاندان کے ساتھ آیا اور دس بجے رات کو اسکی سانس اکھڑ گئی ۔۔۔۔۔۔۔۔آپا پیٹ بینڈیج لپیٹے کمزوری سی جھکی جھکی دیوار کا سہارا لئے چلتی ہوئی رونے کی آواز سن کر اپنے کمرے سے بھاگ گئیں اور ساری رات انہوں نے نرس کی ڈیوٹی روم میں جاگ کر گذار دی۔''

چوکہ خود اختر اور بینوی صاحب ایک طویل مدت تک بیمار رہے تھے اس لئے شکیلہ آپا کو ہسپتال کی زندگی اور وہاں کا رستانیوں کا قریب سے مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔جس کی جھلکیاں ان کی بہت سی کہانیوں میں ملتی ہیں۔شکیلہ آپا کو مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے تھا۔جب اختر صاحب سے شادی ہوگئی تو گھر کا ماحول اور بھی علمی وادبی ہوگیا اور ہمیشہ علم اور ادب کی باتیں ہونے لگیں۔طرح طرح کی کتابیں پڑھتی رہتیں، جغرافیہ، تواریخ اور بھی دوسرے موضوعات پر کتابیں پڑھتی رہتیں مگر انہیں تاریخ اسلام سے خاص شغف تھا، جب کوئی

اہم بات نظر آجاتی تو اسی پر گھر میں اپنی بہنوں کے ساتھ بحث وتبصرہ کرتی رہتیں۔ان کی بہن نے لکھا ہے کہ شوق مطالعہ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ناشتہ کرتے ہوئے بھی انکے ہاتھ میں کوئی ایک کتاب ضرور رہا کرتی تھی۔اور یہ اشتیاق مطالعہ اورانہماک کا نتیجہ ہی تھا کہ وہ ایک بڑی فنکار بنکر ابھریں ورنہ محض ابتدائی تعلیم تک محدود رہ کر اس درجہ عالمی زندگی پر خامہ فرسائی کرنا آسان نہ تھا۔

شکیلہ اختر کو بچپن ہی سے چھوٹی چھوٹی چیزیں (انشائیے) لکھنے کا شوق تھا۔گھر کا ماحول ادبی تھا۔اپنی والدہ کا ذوق دیکھ کر ان پر اور بھی اثر پڑا۔گھر پر بڑے بڑے شعراء ادبا آتے جاتے تھے۔جس سے شکیلہ اختر کے ادبی ذوق کو جلا ملتی رہی اور وہ مسلسل افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوگئیں گرچہ انہوں نے سب سے پہلے شعر کہا تھا مگر جب انہوں نے ایک افسانہ محلے کے ایک لڑکا دورحمت پر اس نام سے کہانی لکھی اور پاکستان کے رسالہ ''ادب لطیف'' میں شائع بھی ہوئی تو اس کہانی کی پزیرائی کافی ہوئی پھر تو شکیلہ آپا مسلسل افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوگئیں۔

شکیلہ کے افسانے لکھنے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا مگر جب وہ لکھتیں تو بغیر انقطاع کے لکھتی چلی جاتیں اس امر کی طرف ان کی بہن صوفیہ فضل اشارہ کرتی ہوئی لکھتی ہیں:

> ''کبھی مسہری پر یا پلنگ پر لیٹی ہوئی وہ تکیہ کے سہارے بے تکان لکھتی چلی جاتی ہیں۔ایک افسانہ ختم ہوا، دوسرا شروع ہوا تیسرے کی باری آئی،شور ہو رہا ہے، شادی کے ہنگامے ہیں تو نوکرانیاں جھگڑ رہی ہیں، بچے دھما چوکڑی مچا رہے ہیں بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر اسکے بعد آپا کا سنہرا چہرہ پیار بھری مسکراہٹ سے چمکنے لگتا ہے اور ہم حیران نگاہوں سے یہ تکتے رہ جاتے ہیں کہ آپا کا غصہ نقلی تھا یا ان کی یہ مسکراہٹ نقلی۔۔۔۔۔۔۔۔وہ ایک ہی وقت میں جی بھر کے رونا بھی جانتی ہیں اور دل کھول کر ہنسنا بھی۔''

ان کا طرز کلام اور طرز رہائش بھی بہت سیدھا سادہ تھا۔وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتی تھیں اور یہ مزاج آج بھی قائم ہے۔انہیں پھولوں سے بہت پیار تھا اور آج بھی ہے۔وہ خود پھولوں کی کیاریوں میں لگی رہتی ہیں۔آج بھی ان کی رہائش گاہ کے احاطہ میں پھولوں کی کیاریاں لہک رہی ہیں اور گھر اور اطراف خانہ کو معطر کر رہی ہیں۔آج گرچہ پیری نے خود سے کچھ کرنے سے معذور کر دیا ہے۔مگر اس کام کے لئے آج بھی نوکر اور مالی مستعد رہتے ہیں۔وہ ایک اعلی طرح کی خاتون ہیں خاندان کے دوسرے بچوں اور بچیوں کی پرورش کرتی رہی ہیں کبھی کبھی ان کی تعداد چودہ کی ہو جاتی تھی، چونکہ انہیں خود کوئی اولاد نہیں ہوئی اس لئے اختر صاحب اور خود شکیلہ اختر دونوں ہی بچوں کو بہت ہی پیار اور شفقت دیا کرتے تھے، انہیں اپنا ہی جگر گوشہ سمجھتے رہے آج بھی جب وہ تنہاں رہتی ہیں کوئی شخص ملنے آجاتا ہے تو ان کی عادت ہے کہ ان سے بڑی خوش دلی اور حسن اخلاق سے پیش آتی ہیں۔ان کی زندگی کے دکھ بھرے واقعات اور ایام نے انہیں اندرونی طور پر بہت بیزار بنا دیا ہے۔ان کی کہانیاں ان کی زندگی اور ان کے گھر اور سماج کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔میں نے ان کی کہانیاں پڑھیں پھر ان سے ملنے اور بات کرنے کا اتفاق ہوا تو مجھے یہ لگا کہ ان کا جواب ولہجہ ان کی کہانیوں میں ہے وہی لب ولہجہ ان کی گفتگو کا ہے۔وہ ایک سادہ مزاج اور سادہ لوح انسان ہیں۔کوئی تصنع کوئی عیاری نہ ان کے فن میں ہے نہ ہی ان کی زندگی کے کسی گوشہ میں۔